قصص قرآنیہ کی روشنی میں اسالیب دعوت انبیاء علیہم السلام اور معاصر میں اس کی ضرورت واہمیت

Preaching methodology of the Prophets in the light of Quranic stories and It's importance in contemporary

Muhammad Ubaid Ur Rehman
M.Phil Scholar, Institute of Islamic Studies and Shariah, MY University Islamabad
Email: ubaidsatti509@gmail.com
Dr Hafiz Muhammad Ramzan
Assistant Professor, Institute of Islamic studies and Shariah, MY University Islamabad
Email: muhammad.ramzan@myu.edu.pk

Abstract
Allah Ta'ala has mentioned the past Prophet's nation stories in the Holy Qur'an and the wisdom in it is that the nation of the last Prophet Muhammad Mustafa (peace be upon him) should learn from him. In the Qur'an. Where Allah has narrated these stories, he has also highlighted the invitation aspects of the Prophets (peace be upon him) in the past Prophet's nation stories, in which way the Prophets of Allah invited their respective nations to religion. In fact, the same aspect has been discussed in this article that what is the meaning of invitation? And what is the invitation of the prophets? And what methods? And methods did the Prophets of Allah adopt to give the right call? So that by adopting these principles and virtues, the people of the society can be invited to success. And in this article, special attention has been paid to the aspect that what attributes should be adopted while giving right for the preacher? So it has become clear as day after writing this paper that success cannot be achieved until prophetic qualities are adopted. And in this paper, the contemporary Da'wah aspects have also been highlighted that how to give the Da'wah in the contemporary times, we also get guidance from the Prophets of Allah. It is that Allah Ta'ala established in the training of His Prophets that the invitation to the religion should be given to the people of the society considering the circumstances so that the full results of the invitation to the religion can be obtained. The attributes adopted by the Prophets should be adopted, and the methods adopted by the Prophets (peace be upon them) should be adopted while giving the invitation to the religion so that the results of the invitation to the religion can be achieved to an adequate extent.

Keywords: Quranic Stories, Prophets, Preaching, Methodology, Contemporary

دعوت کا لغوی معنی اور مفہوم

دعوت کا مفہوم: اللہ تعالی نے جب اس کائنات کی تخلیق فرمائی تو اس کائنات تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے ایک منظم نظام ترتیب دیا، تاکہ اس نظام کے زریعے خالق کائنات کی رضا کے مطابق تخلیق شدہ کائنات اپنی کامیابیوں کی طرف پروان چڑھے۔ کیونکہ تجلیات الہی کو براہ راست برداشت کرنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی تو اللہ تعالی نے اپنے پیغام رسانی کے لیے جو نظام ترتیب دیا اس نظام کے زریعے اللہ نے اس پیغام کو انبیاء علیہم السلام تک ارسال

کروایا، اور بنیادی طور پر اللہ نے نظام پیغمبری کو ترتیب ہی اس لیے دیا کہ پیغام خداوندی نظام پیغمبری کے زریعے خدا کی مخلوق تک پہنچایا جائے۔

اب بات جو سمجھنے والی ہے وہ ہے "دعوت" دعوت صرف لفظ نہیں یہ ایک سمندر ہے جس میں مدعی، داعی، مدعا اور مدعو سب شامل ہوتے ہیں۔ اور ظاہر ہے جب مدعی خدا ہو۔ داعی پیغمبر اکرم ﷺ ہو اور مدعا قرآن مجید اور جس کو دعوت دی جارہی ہو امت ہو تو پھر دعوت محض ایک لفظ یا اہتمام تک نہیں رہے گی بلکہ اس میں ماکان ومایکون سب کچھ آجاتا ہے۔ کہ کیا کرنا ہے کیسے کرنا ہے اور کیوں کرنا ہے؟ اسی طرح یہ سوالات بھی جنم لیتے ہیں کہ کس سے بچنا ہے، کیسے بچنا ہے اور کیوں بچنا ہے۔ اب ان دونوں راہوں کو ایک ساتھ لے کہ چلنا اور جو ماننے سے انکاری ہو انہیں لگاتار سمجھاتے چلے جانا. لہذا اس امر کا جاننا ضروری ہے کہ ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کون کون سے ذرائع کا استعمال کرنا چاہیئے خاص طور پر آجکل کے زمانے میں جہاں اکثر اشخاص خواہشات کی پیروی میں مبتلا ہیں۔ اس لیے اسالیب دعوت انبیاء علیہم السلام کو سمجھنا اہمیت سے خالی نہیں، اگر دعوت دینے والے مذکورہ دعوتی منہج واسلوب کو سمجھ کر دعوت دین کا کام کریں تو ایک مؤثر کامیابی مل سکتی ہے۔ اور انہیں پہلوؤں کو عصری زمانے میں اپلائی کیا جائے تو مسلم معاشرہ میں بہتری لائی جاسکتی ہے۔

اسی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم پہلے دعوت کی لغوی اصطلاحی تعریفات بیان کیریں گے تاکہ نفس مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

دعوت کا لغوی معنی: ابن فارس زکریا دعوت کی لغوی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (دعوت) اشارہ کرنے والا۔ آنکھ اور عیب دار خط ایک ہی اصل کے ہیں۔ جو آپ کی طرف سے آنے والی آواز اور تقریر سے آپ کی طرف مائل ہیں۔[1]

امام راغب اصفہانی کے نزدیک دعوت کا معنی: (الدعا) دراصل ندا ہے۔ اور ندا اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اسم کے ساتھ اسم نہ ہو، جیسے: اے فلاں، اور الدعا نام رکھنے کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے: میں نے اپنے بیٹے کو زید کہا، یعنی: میں نے اس کا نام رکھا، جیسے خدا تعالیٰ نے فرمایا: اپنے رسول کو (نام کے ساتھ یا اونچی آواز میں) ویسے نہ پکارا کرو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے رہتے ہو۔[2] پس یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ الدعا یا دعوت پکارنا یا بلانا کے معنی میں آتا ہے۔

دعوت کا اصطلاحی معنی: علامہ صالح بن غصون لکھتے ہیں: عرف عام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی دعوت وارشاد ہے جو کہ اصل اللہ عزوجل کا دین ہے۔[3] اسی طرح علامہ ابن تیمیہ دعوت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ ہدایت اور ایمان محض علم سے حاصل ہوتا ہے بغیر اس پر عمل کیے تو اس طرح کا علم طالب علموں میں بھی پایا جاتا ہے جو اس میں کام کرنے، دعوت دین پھیلانے اور خدا کی طرف دعوت دینے کے بجائے اس عمل میں مصروف ہیں کہ کتابیں جمع کی جائیں۔ ان کا پڑھنا شاید اس کے بارے میں شیخی مارنا ہے۔[4] یعنی جب تک دین اسلام کی دی ہوئی دعوت پر عمل نہ کریں تو ایمان و ہدایت نصیب نہیں ہو سکتا۔ یعنی ایمان باللہ اور ہدایت کاملہ کی طرف دعوت دینا اور خود بھی عمل پیرا ہونا۔

قرآن مجید کی روشنی میں لفظ دعوت کا مفہوم: قرآن مجید میں لفظ دعوت مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر اس کے معروف دو ہی معانی، پکارنے اور بلانے کے ہیں۔ چنانچہ یہ لفظ پکارنے اور بلانے کیلئے استعمال ہوا ہے۔ "(اے مسلمانو!) تم رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی مثل قرار نہ دو"[5] یہاں دعا بمعنی پکارنا یا بلانا کے ہیں۔ ایک اور مقام پر باری تعالی نے ارشاد فرمایا: "اور ان کافروں (کو ہدایت کی طرف بلانے) کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو کسی ایسے (جانور) کو پکارے جو سوائے پکار اور آواز کے کچھ نہیں سنتا، یہ لوگ بہرے، گونگے، اندھے ہیں سو انہیں کوئی سمجھ نہیں"[6] یہاں پر بھی دعا کسی کو آواز لگانا یا پکارنا یا بلانا وغیرہ کے معنی میں آیا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے امت محمدی ﷺ پر دعوت کی ذمہ داری تفویض کرتے ہوئے فرمایا: "اور تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور وہی لوگ بامراد ہیں"۔[7] یہاں یدعون سے مراد دعوت دینا۔ کسی کو اس کے رستے اپنے رستے کی طرف بلانا۔

درجہ بالا قرآنی آیات، اقوال العلماء اور تعریفات سے یہ سمجھنا آسان ہے کہ دعوۃ کا لغوی مفہوم ہے لوگوں کو اسلام اور عمل صالح کی طرف قولاً، فعلاً و ترغیب وترہیب یا وعد وعید کی بنیاد پر متوجہ کرنا۔ دعوت کے لغوی معنی کی وسعت، قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے رکھتے ہوئے دعوت کا مفہوم اس طرح متعین کیا جاسکتا ہے کہ "دین کی باتوں کو لوگوں کے سامنے اہتمام، وقار اور حکمت سے اس طرح پیش کرنا کہ وہ اسے اپنے لئے اعزاز وسعادت سمجھتے ہوئے اس کو قبول کرلیں"۔

قبول دین میں پیروی: دعوت دین کا ایک حسین پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں نیکی کی دعوت دی جاتی ہے اور برائی سے روکا جاتا ہے اور دعوت کے ذریعہ بہترین ذریعہ سینہ بسینہ پہنچنے والی روایات اور تحریری شکل میں موصول ہونے

والا علمی و تحقیقی ذخیرہ علم ہوتا ہے جیسا کہ علامہ صہیب احمد میری لکھتے ہیں: "جو شخص زندگی گزارنے کا طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ ان کا طریقہ اختیار کرے جو وفات پا گئے ہیں، اور وہ اصحابِ محمد رضی اللہ عنہم ہیں، جو اس اُمت کے بہترین لوگ تھے، سب سے نیک دِل تھے، علم میں سب سے گہرے تھے اور تکلّفات میں سب سے کم تھے۔ وہ ایسے (سعادت مند) لوگ تھے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لیے منتخب فرمایا اور اپنے دِین کو نقل (تبلیغ وترویج) کرنے کے لیے چُنا۔ چنانچہ انہی کے اخلاق اور طریقوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالو، کیونکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے۔ اللہ کی قسم! وہ سیدھی ہدایات پر تھے"[8]

دعوت کا لفظ احادیث نبویہ میں: "حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے، رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا" اس ذات کی قسم! جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، تم یا تو ضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے یا قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تم پر عذاب بھیجے، پھر تم اس سے دعا مانگو گے مگر تمہاری دعا قبول نہ ہو گی"[9] اس کا مطلب یہ ہوا کہ دعوت دین کا کام مسلمانوں کا شیوہ ہے، اور خاص طور پر برائی سے روکنا اور نیکیوں کا حکم دینا، اور اگر اس طرف توجہ نہ دی جائے تو عذاب الٰہی کی پکڑ میں آنے کا خدشہ ہے۔

قصص قرآنیہ کی روشنی میں دعوت دین: قرآن مجید میں اللہ تعالی نے دعوت دین کا ذکر بڑی تاکید کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اور خاص طور پر دعوت انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے، کہ کس کس طرح اللہ تعالی کی طرف سے مبعوث شدہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو دعوت دین دی اور کون کون سے اسلوب اپنائے تاکہ پیغام خداوندی خالق کائنات کی مخلوق تک پہنچ سکے۔ اللہ تعالی نے سابقہ امم کی کوشش و کاوش کا ذکر دعوت دین کے نقطہ نظر سے بہت خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے اور ان دعوت انبیاء علیہم السلام کا ذکر قرآن میں اس لیے فرمایا تاکہ سابقہ امم کی ان چیزوں کو اپنایا جائے جن کی وجہ سے وہ انعامات خاوندی کے حقدار ہوئے اور ان چیزوں سے بچا جائے جن کی وجہ عذاب خداوندی میں مبتلا ہوئے۔ آقائے نامدار تاجدار مدینہ ﷺ نے مذکورہ قصوں کو حوالہ سے اپنی امت کو آگاہ فرمایا۔ اس لیے ضروری ہے کہ امت جن برائیوں اور مصائب میں مبتلا ہے، ان سے کیسے امت مسلمہ کو انبیاء علیہم السلام کے دعوت دین کے اسلوب و مناہج کو اپناتے ہوئے نکالا جائے۔

قوم نوح کو دعوت دین: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تقریبا 950 سال دعوت دین کی۔[10] اور اپنی امت کو سمجھاتے رہے کہ جن بتوں کی تم پوجا کر رہے ہو اور جن کو تم چاہتے ہو اپنا حمایتی سمجھتے ہو وہ تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے لہذا اس خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرو جس نے کل کائنات کو بنایا۔ تو وہ بپھر گئے اور آپ علیہ

السلام کو ہی الٹا لعن طعن کرنے لگے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں نیست ونابود کر دیا۔ اب اس قصص کو قرآن کی نظر سے پرکھتے ہیں:

"بیشک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا: اے میری قوم (کے لوگو!) تم اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، یقیناً مجھے تمہارے اوپر ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف آتا ہے"[11]

مذکورہ آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کے انداز دعوت کو بیان فرمایا ہے، اور آپ علیہ السلام نے قوم کو اپنی قوم کہا اور جس دین کی دعوت دی اسے اپنا دین نہیں بلکہ اللہ کا دین کہا۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام اس وقت کے لوگوں کو یہ بتانا چاہ رہے تھے کہ اے لوگو اللہ نے مجھے صرف آپ کیلئے ہی بھیجا میری اپنی کوئی ذاتی طلب و مفاد نہیں۔ میں آیا ہی اس لیے ہوں تاکہ آپ جس بوجھ تلے دب گئے ہیں اس سے نکال سکوں۔ اور وہ بوجھ جہنم ہے کہ تم لوگ جس سمت نکل گئے ہو وہ رستہ جہنم کی طرف جاتا ہے میں چاہتا ہوں کہ تم اس رستہ کو چھوڑ کر پھر سے اللہ کی رستے کی طرف آجاؤ تاکہ اس دردناک عذاب سے بچ سکو جو تم پر لازم ہو چکا۔ اس کے جواب میں قوم نوح ان پر جھپٹ پڑی اور کہنے لگی:

"ان کی قوم کے سرداروں اور رئیسوں نے کہا: (اے نوح!) بیشک ہم تمہیں کھلی گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں"[12]

اب یہاں سے دو سوچوں اور دو نظریوں کا اظہار بھی ہو رہا ہے۔ وہ قوم جو گمراہ تھی اس کی طرف اللہ کا سچا رسول آیا پیغام آفریں لے کر مگر اس نے قوم کو گمراہ یا بدکردار نہیں کہا بلکہ حکمت اور تدبر سے کام لیتے ہوئے انہیں دین مبین کی دعوت دی۔ اور کہا کہ جس راستہ کی طرف تم جارہے ہو وہ راستہ خراب ہے۔ یعنی اے میری قوم تم لوگ خراب نہیں ہو لیکن جس راستہ پہ تم لوگ چل پڑے وہ راستہ خراب ہے۔ یہ حسن کلام اور بلاغت نبوی تھی جس کے مقابلے میں اس قوم نے غرور و تکبر کرتے ہوئے اسی اللہ کے سچے اور ہدایت کی طرف بلانے والے رسول کو ہی گمراہ قرار دیا اور کہا کہ " لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ "ہم آپ کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

داعی حق کی خصوصیات:

داعی حق کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ انتہا پرست نہ ہو: دعوت دین دیتے ہوئے داعی کا طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، لہذا ان مشکلات سے گھبرانے کی بجائے منہج نبوی کو ہاتھ سے نہ جانے

دے۔ اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا کہ جب تمہارا سامنا کسی جاہل قوم سے ہو جائے تو اسے سلام کہتے ہوئے گزر جاؤ۔

"اور جب ان سے جاہل (اکھڑ) لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں۔"[13]

یعنی آپ اگر کسی لاعلم سے بحث کریں جس کی ذہن سازی ہو چکی وہ آپ سے بحث میں بد تمیزی کرے گا اور برا بھلا کہے گا جس سے آپ کی طبیعت ناساز ہو گی تو بہتر یہی ہے کہ ایسے شخص سے بحث مباحثہ کرو ہی نہ تا کہ اذیت وتکالیف سے بچا جا سکے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کی دی ہوئی تکالیف کے مقابل میں تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرنا: اب جو رویہ قوم نوح نے اختیار کیا اس کے جواب میں آپؑ نے بڑے تحمل اور بردباری کا مظاہرہ فرمایا اور قوم سے مخاطب ہوتے ہوئے: "انہوں نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی گمراہی نہیں لیکن (یہ حقیقت ہے کہ) میں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول (مبعوث ہوا) ہوں۔:[14] یہاں دعوت دین کا حسن بلاغت دیکھا سمجھا جا سکتا ہے کہ ان کے اس برے جواب میں نوح علیہ السلام غصہ نہیں ہوئے بلکہ بڑے تحمل اور صبر سے جواب دیا کہ اے میری قوم آپ لوگوں کو غلط فہمی ہے میں گمراہ نہیں ہو سکتا بلکہ میں تو اس کا بھیجا ہوا رسول ہوں جو کل جہانوں کا پالنہار ہے۔

داعی کی خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ داعی ضبط نفس ہو: حضر تنوح علیہ السلام کے اس خوبصورت جواب سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جو داعی اسلام ہوتا ہے اسے اپنے ضبط پر قابو ہونا چاہیے اگر دوران دعوت مزاج سے مخالف بات ہو گئی تو اس پر بھڑک اٹھنا اوصاف داعی سے انحراف ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔"[15] یعنی وہ لوگ جو اپنے غصہ پر ضبط رکھتے ہیں اور لوگوں کی غلطیوں کو معاف کر دیتے ہیں وہ محسنین کے زمرے میں آتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔

علامہ سمرقندی کے نزدیک داعی حق کی خصوصیات: عظیم مفسر علامہ سمرقندی حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعوت کے بارے میں تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس آیت میں بیان ادب اور اور حسن اخلاق جو اچھے انداز میں جواب کو ثابت کرتا ہے کیونکہ نوح علیہ السلام نے ان کے جہل کو رد کرنا تھا اچھے انداز میں۔ جیسے کہ ایک اور آیت میں االلہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور جب ان سے جہلا مخاطب ہوتے ہیں تو وہ انہیں سلام کہتے ہوئے گزر جاتے

ہیں۔"[16] مزید فرمایا: میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچارہا ہوں اور تمہیں نصیحت کر رہا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔[17]

علامہ بیضاوی کے نزدیک داعی حق کی خصوصیات: یعنی اس آیت میں صفات رسول اور اس کا مخاطب کرنے کا انداز بیان کیا جارہا ہے کہ اس کا راستہ دونوں سمتوں میں ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ وہ رسول ہے۔[18] یعنی یہاں نوح علیہ السلام قوم کو یہ سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ نہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے بلاواسطہ کلام کر سکتا ہے اور نہ ہی تم اس کی تعلیمات کے بغیر سیدھے راستے کی طرف گامزن ہو سکتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنا برگزیدہ رسول تم میں مبعوث فرمایا تاکہ تمہارے اور خدا تعالیٰ کے درمیان پیغام رسانی کا ذریعہ بن سکے تاکہ تم ہدایت پاسکو۔

حضرت ہود علیہ السلام کا دعوت الی اللہ دینے کا منہج واسلوب: اللہ نے حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کی طرف مبعوث فرمایا، اور اللہ نے آپ علیہ السلام کے دعوتی اسلوب کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا: "اور ہم نے (قوم) عاد کی طرف ان کے (قومی) بھائی ہُود (علیہ السلام) کو (بھیجا)، انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، کیا تم پرہیز گار نہیں بنتے۔"[19]، **اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ طبری فرماتے ہیں:** ہود علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور عبادت میں اس کو اکیلا جانو اور اس کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تو کیا تم اپنے رب سے نہیں ڈروگے وہ تمہارا رب ہے پس تمہیں چاہیئے کہ اس سے ڈرو۔ اور کسی کی عبادت کر کے تمہیں اس کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ کیونکہ وہی تمہارا خالق اور پالنے والا ہے باقی سب کو چھوڑ کر۔[20] یعنی ہود علیہ السلام نے بڑے تدبرانہ انداز خطابت میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ جن بتوں اور معبودان باطلہ کی تم پرستش کرتے ہو وہ تو محض ایک دھوکہ۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہارے ہاتھ سے تراشے ہوئے ہی تمہارے خالق بن جائیں۔ اسی لیے اس خدائے وحدہ لاشریک کی طرف پلٹ آؤ جو تمہارا حقیقی خالق ومالک ہے۔

حق سے بے نیاز رؤسا کا جواب: اس وقت کے جو رؤسا تھے ان کا وہی گھسا پٹا انداز تھا جس کے ذریعے وہ اپنی قوم کو ورغلاتے اور انہیں سمجھانے کی کوشش کرتے کہ یہ تمہارا ہمدرد نہیں بلکہ یہ تم وے وہ سارے حقوق چھیننا چاہتا ہے جو ہم نے تمہیں تمہاری عیاشی کیلئے دیئے ہیں۔ ان کی قوم کے سرداروں اور رئیسوں نے جو کفر (یعنی دعوتِ حق کی مخالفت و مزاحمت) کر رہے تھے کہا: (اے ہود!) بیشک ہم تمہیں حماقت (میں مبتلا) دیکھتے ہیں اور بیشک ہم تمہیں جھوٹے لوگوں میں گمان کرتے ہیں۔[21]

امام طبری تحت الآیہ میں لکھتے ہیں: اپنے دین کو چھوڑ کر اور اپنے معبودوں کی پرستش کرتے ہوئے، "اور بے شک ہم سمجھتے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔" آپ کے اس بیان میں کہ: "میں رب العالمین کا رسول ہوں۔" ہود علیہ السلام نے کہا، "اے میری قوم! مجھ میں حماقت نہیں ہے۔" وہ کہتا ہے، یعنی حق اور حق سے بھٹکنا۔ "لیکن میں رب العالمین کا رسول ہوں۔" اس نے مجھے بھیجا، میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔ اور دین جیسی امانت تمہارے حوالے کرتا ہوں جیسا کہ اس نے مجھے ان کے حوالے کرنے کا حکم دیا تھا۔[22]

حضرت ہود علیہ السلام سے ان کی قوم کا حسد: فرمان خداوندی ہوا: کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد (کی زبان) پر نصیحت آئی تاکہ وہ تمہیں (عذابِ الٰہی سے) ڈرائے، اور یاد کرو جب اس نے تمہیں قومِ نوح کے بعد (زمین پر) جانشین بنایا اور تمہاری خلقت میں (قد و قامت اور) قوت کو مزید بڑھا دے، سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔[23]

حضرت ہود علیہ السلام نے اس قوم کو حسد کے مقابل میں یہ دلیل بیان فرمائی کہ وہ وقت یاد کرو جب قوم نوح نے اپنے پیغمبر کی اطاعت اسی لیے نہیں کی تھی کہ وہ انہیں محض ایک بشر سمجھتے تھے اور گمان کرتے تھے کہ یہ کوئی نبی نہیں بلکہ معاذ اللہ جھوٹوں میں سے ہے اور وہ یہ خیال کرتے تھے کہ اللہ ان کی رہنمائی کیلئے شاید کوئی ملائکہ یا نورانی مخلوق بھیجے جس کا تعلق انسانی بستی سے نہ ہو، تو اللہ نے ان کے اس اقدام کی وجہ سے انہیں غرق کر دیا اور تمہیں ان کا جانشین بنایا، تاکہ تم اللہ کی عبادت کر سکو اور کی بڑائی بیان کرو۔ یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ قصص کا انسانی زندگی پر بڑا اثر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ کے جتنے پیغمبر آتے گئے وہ سابقہ امتوں پہ ہونے والے عذاب الٰہی سے اپنی امتوں کو ڈراتے تھے۔

داعی حق کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ لالچ سے بے نیاز ہو: داعی حق کیلئے یہ ایک شرط ہے کہ اس کا دل دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز ہونا چاہیے۔ جیسا کی فرمان الٰہی ہے: اے میری قوم! میں اس (دعوت

و تبلیغ) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر فقط اس (کے ذمۂ کرم) پر ہے جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔[24]

ایسی دلیل اس لیے بیان فرمائی کہ آپ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یہ میری قوم کی دل میں سوال پیدا ہو گا کہ شاید میں کوئی مالی مفاد دیکھ کر تبلیغ کر رہا ہوں۔ ایسے تمام سوالات کی حسن بیان کے ساتھ تردید کر دی۔ اس حوالے سے امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور بے شک ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، ان کو حکم دیا کہ خدائے واحد کی عبادت کریں، بغیر کسی شریک کے، اور انہیں ان بتوں سے منع کیا جو انہوں نے اپنے لیے بنائے ہیں، آسمانی معبودوں کا آسمان اور ان سے کہا کہ وہ نہیں چاہتے۔ اس نصیحت اور خدا کی طرف سے اطلاع دینے پر ان کی طرف سے ایک انعام، وہ صرف اس خدا سے اپنا اجر چاہتا تھا جس نے اسے پیدا کیا۔ جو آپ کو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ آپ کو دنیا اور آخرت میں فائدہ پہنچائے گا اور یہ کام وہ بغیر کی اجرت کے لالچ کے کر رہے ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے ان کو حکم دیا کہ استغفار کریں، جو پچھلے گناہوں کا کفارہ ہے، اور جو ملے گا اس پر توبہ کریں۔[25]

دعوت حق کو قبول نہ کرنے والوں کے لیے عذاب علیم: جب ہود علیہ السلام اپنی پوری کوشش فرما چکے اور اس کے باوجود ان کی قوم نافرمانی اور سرکشی سے باز نہیں آ رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو عذاب میں مبتلا کرنے کا فیصلہ فرمالیا جس کی تفصیل قرآن مجید میں یوں ہے: "پھر ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے اپنی رحمت کے باعث نجات بخشی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔"[26] مطلب یہ ہوا جو سمجھانے اور بار بار روکنے کے باوجود من مانی کرتا چلا جائے گا اس کیلئے اللہ کی طرف سے تیار کردہ عذاب علیم جو کبھی نہ ختم ہونے والا لامتناہی سلسلہ ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا دعوت دین دینے کا منہج واسلوب: حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو دین حق کی دعوت دی اور انہوں نے اپنی قوم کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف بلانے کے لیے ایک حسین انداز اپنایا جس کو قرآن مجید میں اللہ تعالی نے اس طرح بیان فرمایا۔ اور (ہم نے قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو (بھیجا)۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا اور اس میں تمہیں آباد فرمایا سو تم اس سے معافی مانگو پھر اس کے حضور توبہ کرو۔ بیشک میرا رب قریب ہے دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔[27]

آپؑ نے قوم ثمود کو بڑے آسان اور فہم انداز میں سمجھایا اے میری قوم ایک خدائے وحدہ لاشریک کو چھوڑ کر جن معبودان باطلہ کی تم پرستش کرنے لگ گئے ہو وہ تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہچائیں گے لہذا تم ان سے منہ موڑ کر اس کی پرستش کرو جو کل جہانوں کا پالنہار ہے۔ لیکن حسب سابق قوم ثمود نے بھی وہی رویہ اپنایا اور حضرت صالح کو جھٹلا دیا: وہ بولے: اے صالح! اس سے قبل ہماری قوم میں تم ہی امیدوں کا مرکز تھے، کیا تم ہمیں ان (بتوں) کی پرستش کرنے سے روک رہے ہو جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے رہے ہیں؟ اور جس (توحید) کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو یقیناً ہم اس کے بارے میں بڑے اضطراب انگیز شک میں مبتلا ہیں[28]

قوم ثمود کا قدامت پرستی کے مرض میں مبتلا ہونا اور دعوت حق کا انکار کرنا: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا جواب دیکھیں تو انسانی ذہن اور اس کی روش کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح وہ اپنے باپ دادا کے رویے کو بنیاد بنا کر اللہ کی وحدانیت کا انکار کر دیتا ہے۔ حالانکہ اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے باپ دادا کے پاس موجود رویہ کہاں سے نکلا اور اس کی کیا بنیاد ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سرکش اور نافرمان کہا: (مگر) حقیقت یہ ہے کہ (نافرمان) انسان سرکشی کرتا ہے۔[29]

اس کے پاس جب جھٹلانے کیلئے کوئی دلیل نہیں بچتی تو وہ باپ داد کو درمیان میں لے آتا ہے کہ تم ہمیں ہماری روش سے ہٹانا چاہتے ہو جس پہ ہمارے باپ دادا تھے۔ لیکن حضرت صالح علیہ السلام نے ان کے اس رویے پہ غصہ کا اظہار نہیں کیا بلکہ بڑے پیارے انداز میں فرمایا: صالح (علیہ السلام) نے کہا: اے میری قوم! ذرا سوچو تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر (قائم) ہوں اور مجھے اس کی جانب سے (خاص) رحمت نصیب ہوئی ہے، (اس کے بعد اس کے احکام تم تک نہ پہنچا کر) اگر میں اس کی نافرمانی کر بیٹھوں تو کون شخص ہے جو اللہ (کے عذاب) سے بچانے میں میری مدد کر سکتا ہے؟ پس سوائے نقصان پہنچانے کے تم میرا (اور) کچھ نہیں بڑھا سکتے۔[30]

ان کے اس جواب میں حضرت صالح علیہ السلام نے رب کی رضا اور ناراضی کا اظہار فرمایا کہ میرا کام تو تھا تم تک اس کا پیغام پہنچا دینا کیوں کہ اگر میں اس کے پیغام میں کوتاہی کروں تو ذمہ دار بھی میں ہوں گا اس لیے میں اس ذمہ داری سے بری الذمہ ہونا چاہتا ہوں تاکہ میرا رب مجھ سے راضی رہے۔

قوم ثمود کا ایمان لانے والوں کا تمسخر اڑانا: یہ بھی منکرین خدا کا ایک طریقہ واردات ہوتا ہے کہ جب وہ خود ایمان نہیں لاتے تو وہ چاہتے ہیں کہ مختلف حیلوں اور بہانوں سے اہلیان ایمان کو بھی بھٹکا دیں تا کہ وہ بھی اسی صف میں شامل ہو جائیں جس میں وہ گمراہ اور بد کردار لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو ان کے سرکردہ کیسے بھٹکاتے تھے ملاحظہ کیجیے: ان کی قوم کے ان سرداروں اور رئیسوں نے جو متکبّر و سرکش تھے ان غریب پسے ہوئے لوگوں سے کہا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے: کیا تمہیں یقین ہے کہ واقعی صالح (علیہ السلام) اپنے ربّ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا: جو کچھ انہیں دے کر بھیجا گیا ہے بیشک ہم اس پر ایمان رکھنے والے ہیں۔[31]

ایک طرف طرز عمل ان لوگوں کا ہے جو ایمان نہیں لانا چاہتے اور نہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی سرداری ختم ہو اور جو سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام جو وہ وضع کر چکے اور خود کو قوم کا مسیحا کہتے ہیں اور خدا تک کہہ دیتے ہیں پھر وہ راہ حق کیلئے مختلف حیلے بناتے ہیں اور روڑے اٹکاتے ہیں۔ پہلے لالچ دیتے ہیں، لالچ میں نہ آئے تو ڈراتے ہیں ڈرے بھی نہ تو بدنام کرتے ہیں اور اگر پھر بھی باز نہ آئے تو حملہ آور ہو جاتے ہیں۔

اور دوسری طرف کا طرز عمل ان کا تھا جو ایمان لے آئے۔ اب چونکہ وہ لذت ایمان کو چکھ چکے ہوتے ہیں اور ایمان کی حلاوت پا چکے ہوتے ہیں تو انہیں ہر اس پر عمل پیرا ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا جو پیغمبر اور رسول کو دیا جاتا ہے۔ یعنی وہ دنیاوی لالچ اور بے سروسامانی کے عالم میں بھی رب کو یاد رکھتے ہیں اور اس کی رضا پہ راضی رہتے ہوئے مشکلات سامنا کرتے ہیں حقیقت میں وہی داعیین حق ہوتے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام کا دعوت حق کی طرف توجہ دلانے کے لیے نعمتوں کا ذکر کرنا: اب غور طلب بات جو ہے وہ یہ کہ جناب صالح علیہ السلام چاہتے تھے کہ قوم کسی طرح بدی کی راہ سے ہٹے اور نیکی کی طرف لپکے اس کیلئے آپ علیہ السلام نے ہر ممکن کوشش کی دنیاوی و اخروی نعمتوں کا وعدو وعید بھی کیا اور کوشش فرمائی کہ کسی طرح وہ اللہ کے راستے کے داعی بن کر اس کی رحمت کے مستحق بن سکیں۔ فرمایا: "کیا تم ان (نعمتوں) میں جو یہاں (تمہیں میسر) ہیں (ہمیشہ کے لئے) امن واطمینان سے چھوڑ دیئے جاؤ گے۔"[32] یعنی یہاں جو تمہیں نعمتیں میسر ہیں یہ عارضی ہیں جو خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے محدود مدت تک رکھی ہیں اور جب وقت اجل آجائے گا تو دنیا کی کوئی نعمت تمہارا مقدر بدل نہیں سکتی کہ تم موت کو زندگی سے بدل سکو۔ تو جس طرح تم اس کی نعمتوں سے مالا مال ہو رہے ہو آکرت میں بھی ایسے ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی یہاں دنیاوی باغات اور چشمے تمہاری آنکھوں کو ورطہ حیرت میں مبتلا کیے ہوئے ہیں تو سوچو ان نعمتوں کے بارے میں بھی جو آخرت میں ملنے والی ہیں۔

دعوت دین دینے والوں کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ رویہ میں میانہ روی اختیار کرے: درج بالا آیات بینات اور جناب صالح علیہ السلام کا انداز دعوت و فکر ہمیں یہ احساس دلا رہا ہے کہ ہمیں معتدل رہنا چاہیے۔ نہ کبھی طاقت کے نشے میں اوقات سے بڑ کر فیصلے لینے چاہیں نہ ہی گمراہ لوگوں کی پیروری کر کے خود کو رب تعالیٰ سے ہی دور کر لینا چاہیے۔ کیوں کہ حرف آخر وہی ہے۔ بندہ فانی ہے باقی وہی ہے جیسا کہ اس کا فرمان بھی ہے: "ہر کوئی جو بھی زمین پر ہے فنا ہو جانے والا ہے۔ اور آپ کے رب ہی کی ذات باقی رہے گی جو صاحبِ عظمت و جلال اور صاحبِ انعام واکرام ہے۔"[33]

جب ہر شئے نے فناہ ہو جانا ہے تو پھر غرور و تکبر کیسا؟ جاہ و جلال کیسا؟ اکڑ اکڑ کے چلنا کیسا؟ اس کی نافرمانی کر کے سینہ چوڑا کرنے کا کیا فائدہ؟ آخر میں اسی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے اور اگر ایک لمحہ کیلئے اس وقت کے بارے میں سوچا جائے کہ جب موت آئے گی اور انسان بغیر کسی نیکی کے اس کے سامنے جائے گا تو اس کا کیا حشر ہو گا؟ وہ کیا جواب دے گا؟ تو اس شرمندگی اور احساس ندامت سے بچنے کی تدبیر کرنا اور اس حوالے سے اصلاح احوال کی دعوت فکر دینا ہی مقصود مومن ہونا چاہیئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعوت دین دینے کا منہج واسلوب: تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں جناب براہیم علیہ السلام کے دین کو بڑی ترویج ملی یہاں تک کہ دین محمدی میں دین ابراہیمی کا بڑا حصہ یا یوں کہا جائے کہ سارا دین ابراہیمی ہی دین محمدی ہے تو بے جانہ ہو گا۔ دین ابراہیمی میں بڑی فصحت ہے۔ بڑا مفصل دین ہے اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جس وسیع پیمانے پہ دین کی تبلیغ کی اور جو دلائل و براہین دیئے گئے وہ واقعتاً بے مثل و مثال ہے۔ آپ علیہ السلام کا قصہ قرآن مجید میں آپ کا اپنے گھر سے دعوت و تبلیغ سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ سورہ مریم میں فرمایا گیا: "اور آپ کتاب (قرآن مجید) میں ابراہیم (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے، بیشک وہ بڑے صاحبِ صدق نبی تھے"۔[34] پھر آگے فرمایا: "جب انہوں نے اپنے باپ (یعنی چچا آزر سے جس نے آپ کے والد تارخ کے انتقال کے بعد آپ کو پالا تھا) سے کہا: اے میرے باپ! تم ان (بتوں) کی پرستش کیوں کرتے ہو جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ تم سے کوئی (تکلیف دہ) چیز دور کر سکتے ہیں"۔[35]

یہاں پہ دیکھا جا سکتا ہے کہ کس طرح ابراہیم علیہ السلام اپنے چچا آزر کو دلائل دے رہے ہیں یعنی وہ یہ نہیں کہہ رہے کہ تمہیں کس کی پیروی کرنی چاہیئے بلکہ یہ دلیل مانگ رہے ہیں کہ جس کی پوجا کرتے ہو کس دلیل کی بنا پہ ایسا کرتے ہو حالانکہ میں دیکھتا ہوں کہ جس کی تم پوجا کر رہے ہو وہ نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔ اب جب آزر سے

جواب نہ بن پایا تو ابراہیم علیہ السلام نے انہیں مزید دعوت فکر دی اور فرمایا: اے میرے ابّا! بیشک میرے پاس (بارگاہِ الٰہی سے) وہ علم آچکا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا تم میری پیروی کرو میں تمہیں سیدھی راہ دکھاؤں گا[36]

داعی کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ داعی کو خیر خواہ ہونا چاہیئے: یہاں یہ نکتہ بڑا قابل غور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جو آگے فرمارہے ہیں وہ کوئی خیر خواہ ہی کس سکتا ہے۔ یعنی آپ علیہ السلام چاہتے تھے کہ ان کے گھر والے ان کے پالنے والے ان سے محبت کا دم بھرنے والے کہیں اللہ کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ یہاں پہ ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا حسن اور تسلسل ہے جس کے پیرائے میں وہ اپنے گھر والوں کو تبلیغ فرمارہے ہیں کہ آپ جس سمت نکل گئے ہیں وہ تو شیطان کا رستہ ہے اور شیطان تو ہم سب کا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو اپنے خالق خدائے رحمان کا بڑا نافرمان ہے ہمارا بھلا کب چاہیے گا؟ جیسا کہ فرمایا: "اے میرے ابّا! شیطان کی پرستش نہ کیا کرو، بیشک شیطان (خدائے) رحمان کا بڑا ہی نافرمان ہے"۔[37]

لیکن ان کے چچا نے جب سراسر انکار کر دیا شاید کہ یہ حسد کی وجہ سے ہو کہ جس شخص کو میں نے پال پوس کے بڑا کیا اب وہی مجھے سیکھانے جارہا ہے کہ کیا کرنا ہے تو ان کے جواب میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام غصہ نہیں ہوئے بلکہ بڑے مدبرانہ انداز میں ان کو جواب دیا: اے میرے ابّا! بیشک میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تمہیں (خدائے) رحمان کا عذاب پہنچے اور تم شیطان کے ساتھی بن جاؤ۔[38] جب وہ نہیں مانے اور الٹا اپنی حقانیت کے دلائل دینے لگے تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

(ابراہیم علیہ السلام نے) کہا: (اچھا) تمہیں سلام، میں اب (بھی) اپنے رب سے تمہارے لئے بخشش مانگوں گا، بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے (شاید تمہیں ہدایت عطا فرمادے)۔[39]

درج بالا انبیاء کرام اور ان کے مخالفین کے بیان کیے گئے طرز عمل سے درج نکات سامنے آئے جن پہ عمل درامد ہر داعی کا مدعا و منتہا ہونا چاہیئے:

- مخالف یا بے علم انسان سے جب آپ بحث و تمحیص کریں گے تو وہ آپ کی ذات پہ حملہ کر سکتا ہے اس لیے آپ کو اس جیسی زبان یا لب و لہجہ استعمال نہیں کرنا چاہیے بلکہ حسن، تدبر اور مضبوط دلائل کا سہارا نہیں چھوڑنا چاہیے۔

- آپ کا مخالف آپ سے حسد کی وجہ سے آپ کو بدنام کر سکتا ہے لہذا اس حوالے سے آپ کو پہلے ہی غور و خوض کر لینا چاہیئے کہ اگر آپ کی عزت اچھالی جارہی ہے اور آپ کے ہاتھ سے اختیار چھن رہا ہے تو وہاں سے اٹھ جانا اور چلے جانا ہی بہتر ہے بجائے اس کے کے فتنہ فساد بپا ہو۔

- آپ کو مخالف آپ کو غصہ دلانے کی بھرپور سعی کرے گا تا کہ لوگ یہ جان سکیں کہ یہ آدمی باہر سے پرہیز گار ہے ویسے یہ ہماری ہی طرح کا غیر مدلل اور بے سروپا ہے۔ لہذا ایسے حالات میں انسان کو خود پہ قابو رکھنا اور دین اسلام کی ترویج واشاعت کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے حصے کا کام کر جائے کیوں مخالف کا جو کام تھا اس نے بخوبی کیا اب دیکھنا یہ ہے کہ جو داعی حق کا کام تھا وہ بخوبی نبھا پائے گا یا نہیں۔

- اگر آپ کی عزت نفس کا خیال نہ رکھا جائے تو مایوس ہونے اور غصہ ہونے کی بجائے انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی کا وہ پہلو سامنے لے آئیں جس میں ان کو بدنام کرنے کیلئے ان کی قوم کوشش کیا کرتی تھی اور کامیاب بھی ہو جایا کرتی تھی مگر انبیاء کرام غصہ نہ ہوتے بلکہ ان کے طرز عمل پہ روتے کہ انہیں معلوم نہیں یہ کس سمت جا رہے ہیں۔ جس سمت یہ جارہے ہیں وہ عذاب الٰہی کا رستہ ہے اور وہ بڑا دردناک منظر ہے۔ لہذا وہ اپنی ذات کو بھول کر اپنے مخالفین کے حق میں دعا کیا کرتے۔

- آپ کا مخالف کبھی آپ کا خیر خواہ نہیں ہو گا وہ آپ کو زلیل کرنے کی پوری سعی کرے گا مگر آپ نے اس جیسا لب ولہجہ اختیار نہیں کرنا بلکہ مضبوط اور ٹھوس دلائل کی بنیاد پہ اس کا رد کرنا ہے تا کہ سامعین کے ذہن میں آپ کے حسن سلوک کا نقش قائم ہو اور وہ آپ سے متاثر ہو سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ کو زلیل ورسوا کرنے والا خود ہی اکیلا ہو جائے گا۔ اور اگر حالات الٹ ہو جائیں تو وہاں سے ہجرت کر جانا بہترین حکمت عملی ہے۔

دعوت انبیاء علیہم السلام اور عصری معنویت: انبیاء کرام علیہم السلام کا انداز دعوت وفکر اور قصص قرآنی بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اسی طرح کا طرز فکر آج کے دور میں بھی سامنے آنا چاہیئے جس کے حوالے سے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

(اے رسولِ معظّم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو، بیشک آپ کا رب اس شخص کو (بھی) خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔[40]

یعنی اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے رسول مکرم ﷺ کو یہ تعلیم فرما کر امت محمدیہ کیلئے ایک راہ مہیا فرما رہا ہے کہ کس طرح سے یہ امت اپنے نبی کی تعلیمات کو مشعل راہ بنا کر امم سابقہ سے ممیز و ممتاز ہو سکتی ہے۔ ذیل میں ہم آقا کریم ﷺ اور آپ کے فرمودات اور اللہ کے احکام کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ کو دعوت دین کا حکم: رسول معظم جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی تھی اقراء اس کے بعد نازل ہونے والی آیات بینات دعوت دین کیلئے تھیں۔ جیسے فرمایا اے چادر اوڑھنے والے (حبیب!)۔ اُٹھیں اور (لوگوں کو اللہ کا) ڈر سنائیں۔ اور اپنے رب کی بڑائی (اور عظمت) بیان فرمائیں۔[41]

یعنی اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے پیارے محبوب سے فرمانا چاہتا ہے کہ جہاں والوں کیلئے تبلیغ دین کا علم بلند کیجئے اور انہیں ڈرایئے ان کے انجام بد سے اس کی وجہ سے جو وہ کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں: یعنی اے مدثر اپنی آرام گاہ سے اٹھئے، یا عزم و ارادہ کے ساتھ کھڑے ہوں اور تنبیہ کریں، یہاں مفعول حذف ہے جو کہ عمومیت پر دلالت کرتا ہے، یعنی تمام لوگوں کو یعنی اس رب کے ساتھ شریک کرنے والوں کے لیے جہان کے عذاب سے خبر دار کر دو۔[42]

اب یہاں دعوت کے اصول بدلے جا چکے ہیں۔ اس سے پہلے جو ادیان تھے وہاں ڈر تھا خوف تھا مگر یہاں اب کھلم کھلا اور بے خوفی کی فضاء میں دین کی تبلیغ کرنے کا حکم ہوا اور ایک جلالی انداز بیان خدا تعالیٰ کا سامنے آیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اب جہاد منکرین کے خلاف علم جہاد بلند ہو گا۔ عذاب الٰہی کا وہ سماں جو پچھلی قومیں بھگت چکیں اب اس قوم کیلئے وہ عذاب الٰہی کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ کیوں کہ اب اس دین متین نے قیامت تک کی انسانیت کیلئے باقی رہنا ہے تو اس کیلئے لازمی ہے علم جہاد بلند کیا جائے اور ظالموں اور ظلم کے خاتمے کیلئے عملی اقدامات کیے جائیں۔ اور عذاب الٰہی کو موت اور قیامت تک مؤخر کر دیا جائے۔ یہ صرف اس لیے ہو رہا تھا کیوں کہ اب نبی آخر الزماں تشریف لے آئے جو رحمۃ اللعالمین ہیں۔

مگر ایسا بھی نہیں کہ یہ دین کوئی دہشت پھیلا کر زور زبردستی سے لوگوں کو دائرہ میں داخل کرتا چلا جائے گا بلکہ یہ علم جہاد صرف ظلم کے ت مقابلے میں ہو گا۔ ان کیلئے ہو گا جو اسلامی نظام ریاست کو کچلنے کی سعی کریں گے یا جو لوگوں کو ان کے حقوق دینے سے گریز کریں گے یا مسلمانوں کو ایذا رسانی کا سبب بنیں گے۔ اسی لیے فرمایا: دین میں کوئی زبردستی نہیں، بیشک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے، سو جو کوئی معبودانِ باطلہ کا انکار کر دے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کے لئے ٹوٹنا (ممکن) نہیں، اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔[43]

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ مسلم وغیر مسلم دونوں اقوام سے مخاطب ہے کہ سب اپنے اپنے کام سے خبر دار ہو جائیں وہ جو ایمان لے آئے ان کو حق حاصل نہیں کہ کسی کو زبردستی دین میں داخل کرتے پھریں اور جو دین میں داخل نہیں ہو رہے ان کو واضح نشانیاں مل چکیں اب اگر وہ اس سے انکار کریں کہ ایمان لائیں گے تو اس کا وبال انہیں پہ ہے اور جو ایمان لے آئے ان کا تعلق اللہ سے ایسا جڑ چکا ہے کہ کبھی ٹوٹے گا نہیں۔

آپ ﷺ کا اہل کتاب کو دعوت حق دینے کا اسلوب و منہج: دعوت کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا کہ اہل اسلام کی طرح دیگر اقوام کو بھی دعوت فکر دیں اور ان کو بھی اس دین مبین میں شامل ہونے کی دعوت دیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اہل کتاب ہیں اور جن کا دعویٰ اور وعدہ تھا کہ جب نبی آخر الزماں تشریف لائیں گے تو ہم ان پہ ایمان لائیں گے۔ اس لیے اہل کتاب کو بھی راہ راست کی طرف بلائیں، اب چونکہ آپ ﷺ کو اللہ کریم نے تمام جہانوں کیلئے نبی بنا کر بھیجا ہے کسی ایک طبقہ یا قوم کیلئے نہیں اس لیئے تمام طبقات کو دعوت کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا آپ فرمادیں: اے اہلِ کتاب! تم اس بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہیں بنائے گا، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ گواہ ہو جاؤ کہ ہم تو اللہ کے تابع فرمان (مسلمان) ہیں۔[44]

یعنی اے حبیب مکرم ﷺ! آپ اپنا فریضہ نبوت ادا کرتے ہوئے اہل کتاب کو بھی اللہ کی بندگی کی طرف بلائیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کا دل پگل جائے اور آپ کی دعوت پہ لبیک کہتے ہوئے اسلام کی طرف مائل ہو جائے اور اگر وہ رو گردانی کریں تو ان کو ہمارے لیے چھوڑ دیں اور آپ ان سے کہ دیں کہ ہم تو اللہ ہی کے حکم کے پابند ہیں۔ اس ضمن میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

"یعنی ہم دین اسلام کے پابند ہیں، اس کے احکام کے تابع ہیں، اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں انعامات اور نعمتوں میں سے کچھ دیا ہے وہ اسی کا ہے۔ اور ہم کسی کو اپنا رب نہیں مانتے سوائے اللہ کے، عیسیٰ و عزیر علیہا السلام، یا فرشتے رب نہیں، کیونکہ وہ ہماری طرح انسان ہیں، ہماری طرح محدث ہیں، اور ہم راہبوں کی کوئی چیز قبول نہیں کرتے جو وہ ہمارے لیے حرام قرار دیتے ہیں حالانکہ اللہ نے اسے ہمارے لیے حرام نہیں کیا ہوتا۔"[45]

قرآن حکیم میں امت محمدیہ ﷺ کے دعوت دین دینے کی صفات کا بیان: اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ کو تمام امم سابقہ کے مقابلہ میں شرف فضیلت بخشی اور اس کو بہترین جماعت کے خطاب سے سرفراز فرمایا، اس لیے کہ یہ اللہ کے بندوں کو راہ مستقیم اور ہدایت والے راستہ کی رہنمائی کرتے ہیں اور برے راستہ سے روکتے ہیں۔ اور خود بھی عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی حکمت و دانائی سے عمل کی ترغیب دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "تم بہترین اُمّت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو یقیناً ان کے لئے بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ ایمان والے بھی ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں"۔[46] چنانچہ ہر مسلمان کا یہ ایمانی فریضہ بنتا ہے کہ وہ معروف (اچھائی) کا حکم دے اور منکرات (برائی) سے روکے۔ جیسا کہ اس بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے اہل ایمان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی کسی بُرائی کو دیکھے تو اس کو چاہیے اسے اپنے ہاتھ سے مٹادے، اور اگر اس کی قوت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے اور اس کی بھی قوت نہ ہو تو دل سے اسے بُرا مانے اور یہ ایمان کا کمتر درجہ ہے۔"[47]

لہٰذا جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اس امت محمدیہ ﷺ کی حیثیت ایک داعی کی ہے، تو اس بعد اس کی ذمہ داریاں اور بڑھ جاتی ہیں، اس کو ہر حال میں دین کی تبلیغ کا بیڑا اٹھانا ہے کیونکہ اب انبیاء کرام کی نبوت و رسالت کا سلسلہ منقطع ہو گیا اب جو ذمہ داری ہے وہ مؤمنین پہ ہی ہے کہ وہ سینہ بسینہ روایات یا کتابی صورت میں جو کچھ موجود ہے اسے اگلی نسلوں میں منتقل کریں۔ چنانچہ درج بالا آیت کریمہ کے پیش نظر ایک داعی جو دین اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتا ہے اس کو دعوت کے یہ تین اہم اصول ذہن میں رکھنا چاہیے

(1) خیر کی دعوت (۲) منکرات سے روکنا (۳) اچھے کاموں کی ترغیب دینا۔

ان تینوں اصول کو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت کریمہ میں بیان فرمایا بیان فرمایا ہے۔ یعنی اب ہر مسلم پہ تین ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور وہ تین فرائض و ذمہ داریاں کیا ہیں:

حالات وواقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے دعوت دین دینے کا منہج واسلوب: یعنی ہر ایک کیلئے یہ بات لازم ہے کہ کھلے عام دین اسلام کی دعوت دے اور لوگوں کو شر سے موڑ کر خیر کی طرف بلائے اور اگر کھل کر دعوت دینے کی ہمت نہیں ہے یا کوئی خوف وخطرہ پیش نظر ہے تو اشارۃً وکنایۃً یعنی حکمت سے سمجھائے، اگر اتنا بھی نہیں کر سکتا تو اپنے انسانی بھائی کے حق میں دعاء کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان اور عمل کی دولت سے نوازے اور میرے کلام میں تاثیر پیدا فرمائے۔ چنانچہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے اس طرح فرمایا ہے۔ اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر گواہ ہو۔[48]

یہاں سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس طرح اس امت کو احساس دلایا جارہا ہے کہ تمھاری حیثیت امت وسط کی ہے اور تم کو "شہداء علی الناس" بنایا گیا ہے۔ یعنی سابقہ تمام امتوں پہ گواہ رہیں گے امت محمدیہ کے لوگ کہ ہاں واقعتاً پیغمبر ان اسلام نے ان کو دعوت و تبلیغ کی تھی مگر یہ اپنے اپنے نصیب کا کھا کر چلتے بنے پھر چاہیے وہ مسلمان ہوئے یا کفر پہ ہی خاتمہ ہوا ہو۔ امت وسط کا مفہوم یہ ہے کہ تم ایک ایسا گروہ ہو جو سب سے افضل و برتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس امت کے مزاج میں میانہ روی اور اعتدال ہے۔ امت وسط کی ذمے داری یہ ہے کہ وہ اپنے قول و عمل سے دین حق کی شہادت دے اور لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے قیام کو یقینی بنائے۔ اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تمام انسانوں کو اللہ کی اطاعت کی طرف بلانا اللہ کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے نظام کو قائم کرنا اور اس پر عمل پیراء ہونا ہے۔

وہ اہم امور جن کو داعی دعوت دیتے ہوئے اپنا محور بنائے:

1- **دعوت الی اللہ دینا:** اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان کہ: اے نبی (مکرّم!) بیشک ہم نے آپ کو (حق اور خَلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حُسنِ آخرت کی) خوشخبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس کے اِذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منوّر کرنے والا آفتاب (بنا کر بھیجا ہے)۔[49]

اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اللہ کی منشاء ہی یہی ہے کہ رسول معظم داعی حق بن کر فریضہ تبلیغ رسالت مکمل فرمائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس ذمہ داری کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اب چونکہ قیامت تک کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، اس لیے اب یہ ذمہ داری پوری امت مسلمہ پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اسلامی پیغام کو دوسروں تک پہنچائے اور اس ذمہ داری کا پورا پورا حق ادا کرے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا: "اور اس شخص سے زیادہ خوش گفتار کون ہو سکتا

ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے: بے شک میں (اللہ عزّوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) فرمانبرداروں میں سے ہوں"۔[50]

2- **منکرات سے روکنا:** اب اگر سمجھا جائے تو یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے اس لیے ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ امتحان کے نتائج کے مطابق اپنے آپ کو تیار کرے۔ اس لیے جہاں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام کو کرنے والوں کو دنیاو آخرت کی کامیابی وفلاح کی بشارتیں دی گئی ہیں، وہیں اس فریضہ سے غفلت اور لاپروائی برتنے پر سخت وعیدیں بھی ہیں۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کو اللہ اس وجہ سے گرفتار عذاب کر دیا کہ وہ منکرات میں بھٹکے ہوئے تھے اور صالحات سے منہ موڑے ہوئے تھے۔ جیسا کہ فرمایا: "(اور اس لعنت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ) وہ جو برا کام کرتے تھے ایک دوسرے کو اس سے منع نہیں کرتے تھے۔ بیشک وہ کام برے تھے جنہیں وہ انجام دیتے تھے۔"[51] درجِ بالا آیات واحادیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ملت اسلامیہ کا ہر فرد اس بات کا ذمہ دار ہے کہ جو دین اس تک پہنچا ہے اس کو وہ دوسروں تک پہنچائے۔

3- **صالح کاموں کی ترغیب وترہیب:** صالحات کی ترغیب کسی بھی قیمت پہ دی جاسکتی ہے۔ یعنی جنت کی بشارت دے کر ترغیب کرنا، اللہ کی رضاوخوشنودی کے حصول کی بشارت کی صورت میں ترغیب دینا یا کسی قسم کی تمثیل کے ذریعے لوگوں کو سمجھانا کہ تمہارے حق میں کیا بہتر ہے۔ جیسا کہ ایک فرمان رسول ہے

"حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں تمہارے اعمال میں سے سب سے اچھا ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے مالک کے ہاں بہتر اور پاکیزہ ہے۔ تمہارے درجات میں سب سے بلند ہے۔ تمہارے سونے اور چاندی کی خیرات سے بھی افضل ہے، اور تمہارے دشمن کا سامنا کرنے یعنی جہاد سے بھی بہتر ہے درآنحالیکہ تم انہیں قتل کرو اور وہ تمہیں قتل کریں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: وہ عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔"[52]

اب یہاں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس خوبصورت پیرائے میں رسول اکرم ﷺ ترغیب وتعلیم دے رہے کہ کہ اللہ کا ذکر کرو۔ یعنی ذاکرین کو خوشخبری دی کہ سونے چاندی اور جہاد وغیرہ سے بھی افضل ہے کہ اگر تم اللہ کا ذکر کرتے ہو۔ تو اس طرح کا انداز بیان استعمال کر کے صالحات کی طرف انسان کو پھیرنا بھی اسالیب دعوت میں سے ہے۔

4- شائستگی وشگفتہ بیانی: ایک داعی کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر اخلاق کریمانہ اور اخلاق حسنہ پیدا کرے کیوں کہ، انبیاء کرام علیہم السلام کے اخلاق حسنہ کی وجہ سے ہی لوگوں ان کی دعوت سے متاثر ہو کر ایمان قبول کر لیا کرتے تھے، اور یہی وجہ تھی کہ مخالفین شدید مخالفت کے باوجود ان کی بات سننے پر مجبور ہوتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومنوں میں سے کامل ترین ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اعلیٰ ہو۔"[53]

اچھے اخلاق کے بغیر تو دنیاوی کاروبار بھی نہیں چل سکتے چہ جائے کہ دعوت و تبلیغ کا عظیم کام بد خلقی سے چلایا جائے۔ دعوت و تبلیغ میں حکمت عملی اپنانا ضروری ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا : (اے رسولِ معظّم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو، بیشک آپ کا رب اس شخص کو (بھی) خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔[54]

یہاں پہ دو بنیادی چیزوں کا حکم دیا جارہا ہے۔

1۔ حکمت 2۔ دانائی

اگر ان اصولوں کو مد نظر رکھ کر اگر دعوت دی جائے، تو وہ زود اثر ہوتی ہے، ایک داعی کے لیے ضروری ہے کہ اس کا نظریہ پختہ ہو اور مؤقف انتہائی سنجیدہ، باوقار اور مدلل ہو، اور لب ولہجہ بھی مشفقانہ اور ہمدردانہ ہو، اور مخاطب بھی اس کا اثر محسوس کرے اس طریقہ سے بات دل میں جلد اتر جاتی ہے، اور وہ یہ سمجھنے لگتا ہے، کہ ناصح مجھے حقیر نہیں سمجھتا یا وہ مجھ اپنی برتری یا بلندی جتلانا نہیں چاہتا بلکہ وہ میری اصلاح کیلئے مخلص ہے۔ اگر ان اصولوں کو مد نظر رکھا جائے تو یہ سامع کیلئے نہایت مفید اور سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔ وگرنہ دکھلاوے اور مشہوری کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

5- **قول لیّن:** داعی کیلئے یہ بھی ضروری ہے اس کے لب ولہجہ میں نرمی ہو جس کو قرآن نے "قول لین" کہا ہے (یعنی نرم گفتگو کرنا) جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ فرعون کو دعوت دو اور تاکید فرمائی کہ نرم لہجہ اختیار کریں تاکہ وہ عبرت حاصل کر سکے۔ کیوں بادشاہوں اور وڈیروں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ ان کو بلند آواز میں تلخ لہجہ میں بات سننا پسند نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"سو تم دونوں اس سے نرم (انداز میں) گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔"[55]

خلاصہ بحث: قرآن حکیم اللہ تعالی کی ایسی کتاب ہے جس میں اللہ تعالی نے ہر پہلو کے نقطہ نظر سے انسانوں کی رہنمائی فرمائی ہے، ان میں سے ایک پہلو قصص قرآنیہ کا ہے، اور پہلی امتوں کے قصص بیان کرنا حکمت ودانائی سے خالی نہیں، اور جن انبیاء کا تذکرہ اللہ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے وہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اللہ تعالی نے قرآن حکیم میں قصص کا پہلو اس لیے بیان کیا ہے تاکہ آپ ﷺ کے امتی پہلی امتوں کے اچھے پہلوؤں کو اپنائیں اور جن اعمال کی بنیاد پر پہلی امتوں کے لوگ عذاب کی گرفت میں آئے ان سے عبرت حاصل کرکے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مطیع وفرمانبردار بن جائیں۔ گزشتہ امتوں کے قصوں میں ایک خاص پہلو انبیاء علیہم السلام کا دعوتی منہج واسلوب ہے، کہ کس کس طرح انہوں نے اپنی اپنی امتوں کو دعوت حق دی۔ لہذا جس منہج واسلوب اور حکمتوں کو انہوں نے اپنا کر اپنی امتوں کو دعوت الی اللہ دی ان کو اور خصوصا منہج نبوی ﷺ کو اپنا کر امت محمدیہ ﷺ کے لوگوں کو دعوت حق دی جائے، تاکہ دعوت حق کے نتائج حاصل کرنے میں کامیابی ہمکنار ہوا جاسکے۔ اور جس طرح انبیاء علیہم السلام نے حالات وواقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے جو دعوتی منہج واسلوب اپنایا، آج کے مبلغین کو بھی حالات واقعات کو بھانپ کر دعوتی منہج واسلوب اپنانا چاہیے۔ اور مذکورہ تحقیق سے یہ نتائج اخذ ہوئے نظر آتے ہیں کہ بے شک آپ حق پر ہوں لیکن اگر آپ کو سلیقہ گفتگو نہیں آتا تو، تو آپ کے دونوں ہاتھ خالی ہیں۔ دنیا آپ کے پیچھے نہیں چلے گی اس کے مقابلے میں اگر آپ کا مخالف غلطی پر بھی ہے لیکن اسے سلیقہ گفتگو آتا ہے تو، ناسمجھ لوگ دنیاوی مفاد کی خاطر اس کے چکر میں آجائیں گے۔

اس لیے داعیان اسلام کو چاہیے کہ اپنے طرز تکلم میں وسعت پیدا کریں اور دنیا کو حالات وواقعات کے مطابق سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر آپ کا دور منطق کی سوسائٹی سے گزر رہے ہیں تو، تو بات منطق سے کریں اگر آپ کے دور میں ہر بات میں حوالہ قرآن سے دیا جاتا ہے تو آپ بھی قرآن کی بات کریں اگر آپ کا زمانہ احادیث وسنن سے استدلال کا ہے تو اسی انداز میں نرمی اور شائستگی سے گفتگو کریں اور اچھا انداز تکلم اختیار کریں تاکہ اگر آپ سے اختلاف کرنے والا متفق نہ بھی ہو تو اس گفتگو کو سننے والے اس نتیجے پر ضرور پہنچ سکیں گے کہ جس طرح کا اس انداز تکلم وفعل ہے اس کے پیچھے اس کا دین ہے۔

حوالہ جات

[1] احمد بن فارس بن زکریاء القزوینی الرازی (ت395ھ) معجم مقاییس اللغہ (بیروت، دار الفکر، 1979ء)، 2/280۔

[2] ابو القاسم الحسین بن محمد المعروف راغب اصفہانی (ت502ھ)، المفردات فی غرائب القرآن، (بیروت، دار القلم)، ص، 315

[3] صالح بن علی بن فہد بن عضون (ت1319ھ)، منہج الدعوۃ والحسبہ بین اھل السنہ واھل البدعہ، (سعودیہ، الکتاب منشور علی موقع وزارۃ الاوقاف السعودیہ بدون بیانات، س ن)، 1/2

[4] احمد بن ناصر الطیار، تقریب فتاوی ورسائل شیخ الاسلام ابن تیمیہ، (سعودیہ، دار ابن جوزی، 1441ھ)، 1/27

[5] (النُّور، 63:24)

[6] (البَقَرَة، 2 : 171)

[7] (آل عمرٰان، 3 : 104)

[8] قاری صہیب احمد میر محمدی، دعوت دین کے بنیادی اصول، (کلیۃ القرآن الکریم والتربیۃ الاسلامیہ، 2017م) مجلد 1، صفحۃ 43۔

[9] محمد بن عیسیٰ ترمذی، سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، (مصر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، 1975م)، 4/69، رقم حدیث: ۲۱۷۶

[10] حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر، قصص الانبیاء اردو، (کراچی: دار الاشاعت، س ن)، ص: 107

[11] (الأعرَاف، 7 : 59)

[12] (الأعرَاف، 7 : 60)

[13] (الفُرقَان، 63:25)

[14] (الأعرَاف، 7 : 61)

[15] (آل عمرٰان، 3 : 134)

[16] ابو اللیث نصر بن احمد بن ابراہیم السمرقندی (373ھ)، بحر العلوم، (سعودیہ، مکتبۃ شاملہ عربیہ، س ن)، 1/524

[17] (الأعرَاف، 7 : 62)

[18] ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ البیضاوی (685ھ)، انوار التنزیل و اسرار التاویل، (بیروت، دار احیاء التراث العربی، 1418)، 3/18

[19] (الأعرَاف، 7 : 65)

[20] ابو جعفر محمد بن جریر طبری(ت310ھ)، جامع البیان عن تاویل ای القرآن،(مکۃ المکرمہ، دار التربیۃ والتراث، س ن)، 12/503

[21] (الاعراف،7:66)

[22] نفس مصدر، جامع البیان،12/503

[23] (الاعراف، 7 : 69)

[24] (ھود، 11 : 51)

[25] ابو الفداء اسماعیل بن عمرو بن کثیر (774ھ)، تفسیر القرآن العظیم، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1419ھ)،4/284-285

[26] (الاعراف، 7 : 72)

[27] (ھود، 11 : 61)

[28] (ھود، 11 : 62)

[29] (العلق،96:6)

[30] (ھود، 11 : 63)

[31] (الاعراف،7:75)

[32] (الشعراء،26:146)

[33] (الشعرآء، 26 : 151)

[34] (الشعرآء، 26 : 152)

[35] (الرحمٰن، 55 : 26-27)

[36] (مریم، 19 : 42)

[37] (مریم، 19 : 44)

[38] (مریم، 19 : 45)

[39] (مریم، 19 : 47)

[40] (النحل،16:125)

[41] (المدثر، 74 : 1-3)

[42] محمد ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ت: غلام نبی تونسوی، (پاکستان، مکتبہ رشیدیہ، 1412ھ)،10/123

[43] (البقرۃ،256:2)

[44] (آل عمرٰان، 3 : 64)

[45] ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ت: احمد البردونی وابراہیم اطفیش (قاہرہ، دار کتب مصریہ، 1964ء)، 107/4

[46] (آل عمرٰان،110:3)

[47] مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری (206۔261ھ) صحیح مسلم (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ج:1، الرقم:49، ص:69

[48] (البقرۃ، 2 : 143)

[49] (الأحزاب، 33 : 45- 46)

[50] (فصلت--حٰم السجدۃ،33:41)

[51] (المائدۃ،79:5)

[5252] محمد بن عیسیٰ ترمذی، سنن ترمذی، کتاب: الدعوات عن رسول اللہ ﷺ، باب: منہ (مصر: مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر،1975ء)،5/459، رقم حدیث:3377۔

[53] ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (202۔275ھ/817۔889ء)۔ سنن ابی داؤد، کتاب الایمان (لبنان: دار الفکر، 1414ھ/1994ء)،، ج:1:678۔

[54] (النحل، 16 : 125)

[55] (طٰہٰ، 20 : 44)